مزارعت کی شرعی حیثیت

(۶)

محمد طاسین

اس عبارت میں امام بخاری نے انتہائی اختصار سے کام لیا ہے، مطلب یہ کہ جن صحابہ رض اور تابعین رح کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے مزارعت کا معاملہ کیا ان کے وہ آثار بیان نہیں کئے جن سے امام بخاری کو اس کا علم ہوا تھا غالباً وہ آثار اس وجہ سے بیان نہیں کئے کہ وہ ان کے معیار صحت پر ٹھیک نہیں اترتے تھے بہرحال وجہ کچھ بھی ہو نہ تو انھوں نے ان آثار کی سند بیان کی اور نہ متن بتلایا، البتہ صحیح بخاری کے شارحین نے جیسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں ان آثار کو مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق اور طحاوی وغیرہ سے نقل کیا ہے، لہذا ذیل میں ہم ان کو نقل کرکے ایک ایک پر بحث کریں گے اور یہ بتلائیں گے کہ ان کی استنادی حیثیت کیا ہے، اور کیا ان سے آپس میں مسلمانوں کے مابین مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

تو لیجئے سب سے پہلے حضرت علی رض کا اثر ملاحظہ فرمائیے جس کو علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کیا اور اس کی سند کا ابتدائی حصہ تہذیب التہذیب میں ذکر فرمایا ہے اور وہ اثر یہ ہے:

عن حارث بن حصیرۃ عن عمرو بن صلیع ان علیا لم یر باسا بالمزارعۃ علی النصف۔

حارث بن حصیرہ نے روایت کیا عمرو بن صلیع سے کہ حضرت علی نصف پیداوار پر مزارعت میں کچھ حرج نہیں دیکھتے تھے'

اس اثر کی اسناد میں حارث بن حصیرہ نامی جو راوی ہے اس کے متعلق علمائے جرح و تعدیل نے لکھا ہے کہ بدعقیدہ رافضی اور غالی شیعہ ہے لہذا یہ اثر ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے اثر کو علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں امام طحاوی کی کتاب شرح معانی الآثار سے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابراهيم بن المهاجر قال سالت موسى بن طلحة عن المزارعة فقال اقطع عثمان عبدالله ارضا و اقطع سعدا ارضا، واقطع خبابا ارضا و اقطع صهيبا ارضا فكل جاري، كانا يزارعان بالثلث و الربع۔

ابراہیم بن مہاجر سے روایت ہے کہ میں نے موسیٰ بن طلحہ سے مزارعت کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب میں کہا کہ حضرت عثمان نے جاگیر کے طور پر ایک زمین عبداللہ بن مسعود کو، ایک سعد بن ابی وقاص کو، ایک خباب کو اور ایک صہیب کو دی جو اب تک جاری ہے وہ دونوں تہائی اور چوتھائی کے بدلے بٹائی اور مزارعت پر دیتے رہے۔

علامہ ابن حجر نے اس اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور سے نقل کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ عبداللہ بن مسعود اور سعد بن ابی وقاص نے اپنی زمین تہائی اور چوتھائی پر دے رکھی تھی۔ اس اثر کی مزید وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جو قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج اور کتاب الاثار میں امام ابوحنیفہ کے ذریعے نقل کی ہے اور وہ یہ ہے:

حدثنا ابو حنيفة عن حدثه قال كان لعبد الله بن مسعود ارض

ہم سے امام ابو حنیفہ نے اپنے شیخ کے حوالہ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن

خراج وكان لخباب ارض خراج وكان لحسين بن علي ارض خراج ولغيرهم من الصحابة وكان لشريح ارض فكانوا يودون عنها الخراج۔ (ص ٦٠ و ٦٢ كتاب الآثار، ص ٦٢ كتاب الخراج)

مسعود کے پاس خراجی زمین تھی اسی طرح خباب، حسین بن علی اور کچھ دوسرے صحابہ کے پاس یعنی قاضی شریح کے پاس بھی خراجی زمینیں تھیں اور وہ بیت المال کو ان زمینوں کا خراج ادا کرتے تھے۔

اسی طرح کتاب الخراج لابی یوسف کی ایک روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں عبداللہ بن مسعودؓ کو جو زمین بطور جاگیر دی تھی وہ نہرین (یمن) میں اور عمار بن یاسرؓ کو جو زمین دی وہ عراق میں تھی اور خباب کو جو زمین دی وہ صنعاء یمن میں اور حضرت سعد کو جو زمین دی وہ قریہ ہرسوان میں تھی۔

ان روایات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس جو زمینیں تھیں اور جن کو وہ مزارعت پر کاشت کراتے تھے ان زمینوں کی نوعیت وہ نہ تھی جو ایک مسلمان کی اس مملوکہ زمین کی ہوتی ہے جس کی پیداوار سے وہ صرف عشر ادا کرتا ہے بلکہ ان کی نوعیت خراجی زمینوں کی تھی جو بیت المال کی ملکیت اور تحویل میں ہوتی ہیں اور جن کو امیر اجتماعی مصلحت کے تحت دوسروں کو دے بھی سکتا ہے اور جب چاہے واپس بھی لے سکتا ہے، اور جن کی پیداوار کا ایک متعین حصہ بطور خراج بیت المال کو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح ان حضرات نے اپنی اس قسم کی اراضی جن کاشتکاروں کو بٹائی پر دے رکھی تھی وہ مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم ذمی تھے اور اگر بالفرض مسلمان بھی ہوں جب بھی یہ معاملہ اس قسم کا نہ تھا جو ایک مسلمان مالکِ زمین اور مسلمان کاشتکار کے مابین طے پاتا ہے بلکہ یہ تقریباً اس قسم کا معاملہ تھا جو ایک

مسلمان حاکم اور غیر مسلم ذمی رعایا کے درمیان طے پاتا ہے، جس کا جواز معاملہ خیبر سے نکل سکتا ہے، کیونکہ جہاں تک آپس میں مسلمانوں کے درمیان مزارعت کا تعلق ہے اس کے عدم جواز کے متعلق حضرت سعد بن ابی وقاص کی مرفوع حدیث پیچھے پیش کی جاچکی ہے جس میں سونے چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینے کے سوا باقی تمام شکلوں کو ممنوع اور ناجائز بتلایا گیا ہے لہذا اس حدیث اور اس اثر میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اثر کو خراجی زمین اور غیر مسلم ذمی کاشتکاروں سے مزارعت تک محدود رکھا جائے اور حدیث کو عشری زمین اور مسلمان کاشتکاروں سے مزارعت تک محدود رکھا جائے۔ بہر حال مذکورہ اثر سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ایک مسلمان مالک زمین اور مسلمان مزارع کے درمیان معاملہ مزارعت جائز ہے۔

مذکورہ تین صحابہ کرام کے بعد امام بخاری نے چند تابعین کے نام ذکر کئے ہیں جن میں پہلا نام حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ہے۔ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے عمر بن عبدالعزیز کے اثر کو ابن ابی شیبہ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عن خالد الحذاء ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی عدی بن ارطاۃ ان یزارع بالثلث والربع۔

خالد الحذاء سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ وہ تہائی اور چوتھائی پر مزارعت کا معاملہ کرے۔

اسی اثر کو علامہ ابن حجر نے یحیی بن آدم کی کتاب الخراج سے دوسرے طریق سے نقل کیا ہے جس میں کچھ تفصیل ہے۔

ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی عامله، انظر ما قبلکم من ارض فاعطوها بالمزارعة علی النصف والا

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک گورنر کو لکھا تمہاری طرف جو قابل کاشت زمین ہے اسے دیکھو اور مزارعت

فعلی الثلث حتی تبلغ العشر، فان لم یزر عنها احد فامنحها والا فانفق علیہا من مال المسلمین ولا تبیرون قبلکم ارضا۔

(ص ۸- ج ۵، فتح الباری)

پر دے دو نصف پیداوار پر، اور اگر نصف پر نہ ہو تو تہائی پر حتی کہ دسویں حصہ تک اور اگر اس پر بھی کوئی تیار نہ ہو تو پھر مفت دے دو اور کوئی مفت بھی نہ لے تو انہیں آباد کرانے کے لئے بیت‌المال کی رقم خرچ کرو، بہر حال تمہاری جانب کوئی زمین غیر آباد نہ رہنی چاہئیے۔

واضح رہے کہ ابن ابی شیبہ والے اثر کے راوی خالد الحذاء کے متعلق علماء جرح و تعدیل کا اختلاف ہے بعض اس کی روایات کو قابل احتجاج مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے، مثلاً ابو حاتم کی اس کے بارے میں یہ رائے ہے کہ اس کی روایت کردہ احادیث کو لکھا تو جائے لیکن ان سے احتجاج نہ کیا جائے، بعض نے لکھا ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور بھولتے تھے وغیرہ۔ بہر حال اگر اس اثر کو صحیح اور قابل استدلال مان بھی لیا جائے تو اس میں جس معاملے کا ذکر ہے وہ ایک مالک زمین کا مسلمان کاشتکار کے ساتھ نہیں بلکہ اسلامی حکومت کا اپنی غیر مسلم ذمی رعایا کے ساتھ تھا اور ایک اجتماعی مصلحت کے تحت تھا یعنی اس کا فائدہ کسی فرد خاص کے لئے نہیں بلکہ بیت‌المال کے لئے تھا جس سے پورے ملک اور معاشرے کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مذکورہ فرمان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس فرمان سے ان کا اصل مقصود یہ تھا کہ تمام قابل کاشت اراضی میں کاشت ہو اور ملکی پیداوار بڑھے اور سب کو ضروریات زندگی سستی اور بآسانی میسر آئیں اور عام خوشحالی ہو، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے یہاں تک لکھا کہ اگر لوگ قابل کاشت اراضی مفت لینے کے لئے بھی تیار نہ ہوں تو پھر بیت‌المال کی رقم میں سے کچھ دے کر آباد کراؤ تا کہ پیداوار

میں اضافہ ہو، غرضیکہ اس اثر سے مسلمانوں کے درمیان مزارعت کا جواز ثابت کرنا درست نہیں معلوم ہوتا، اس سے جو ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حکومت جس کے پیش نظر ملک کا اجتماعی مفاد ہوتا ہے اگر یہ دیکھے کہ اس کی تحویل میں جو اراضی ہیں وہ بٹائی اور لگان کے ذریعہ آباد ہو سکتی ہیں اور قومی بیت‌المال کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو وہ بٹائی اور لگان پر دے سکتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس اثر کے بعد حضرت قاسم بن محمد کے اثر کو لیجئیے جسے علامہ عینی نے مصنف عبدالرزاق سے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

سمعت هشاما يحدث ان ابن سيرين ارسله الى القاسم ابن محمد يسأله عن رجل قال لاخر، اعمل فى حائطى هذا و لك الثلث والربع قال لاباس به۔

میں نے ہشام سے سنا کہ اسے ابن سیرین نے قاسم بن محمد کے پاس بھیجا یہ پوچھنے کے لئے کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے تم میرے اس باغ میں کام کرو پیداوار کا تہائی اور چوتھائی تمہارا ہوگا، تو اس نے جواب دیا، کچھ حرج نہیں۔

اس اثر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاسم بن محمد سے جس معاملے کے جواز و عدم جواز کے متعلق پوچھا گیا وہ کھیت سے متعلق مزارعت کا معاملہ نہ تھا بلکہ باغ سے متعلق مساقاۃ کا معاملہ تھا لہذا انہوں نے ''لاباس بہ'' سے جو جواب دیا وہ مزارعت کے بارے میں نہیں بلکہ مساقاۃ کے بارے میں ہے بنا بریں اس اثر سے مزارعت کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور پھر جہاں تک کراء‌الارض کا تعلق ہے جس میں مزارعت کا بھی احتمال ہوتا ہے نسائی کی ایک روائت کے مطابق قاسم بن محمد اس کو ناجائز سمجھتے تھے، وہ روائت حسب ذیل ہے:

عن عثمان بن مرة قال سألت عثمان بن مرہ سے روایت ہے کہ میں

القاسم عن کراء الارض فقال نے قاسم بن محمد سے کراءالارض کے
رافع بن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ بارے میں پوچھا کہ جائز ہے یا
علیہ وسلم نہی عن کراءالارض۔ ناجائز ؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ
(ص ۴۴-۱-ج ۲- سنن النسائی) رافع بن خدیج نے کہا کہ رسول اللہ
صلعم نے کراءالارض سے منع فرمایا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قاسم بن محمد کراءالارض کی ممانعت کے متعلق رافع بن خدیج کی حدیث کو صحیح سمجھتے تھے جبھی تو انھوں نے اس کو بطور دلیل پیش کیا۔

اس کے بعد عروۃ بن الزبیر کا نمبر آتا ہے، جس کے متعلق علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے یہ تو لکھا ہے کہ یہ اثر بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے لیکن اس اثر کے الفاظ نقل نہیں کئے، شاید اس وجہ سے کہ بقول بعض علماء کے یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہی نہیں، لہذا اس اثر کی بابت کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیا ہے اور کیا نہیں۔

اس کے بعد آل ابی بکر، آل عمر، آل علی والے اثر کو لیجئیے جس کو فتح الباری اور عمدۃ القاری میں مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابی ابن شیبہ سے نقل کیا گیا ہے:

ان ابا جعفر سئل عن المزارعۃ حضرت ابو جعفر باقر سے پوچھا گیا
بالثلث والربع فقال انی ان نظرت فی کہ تہائی اور چوتھائی پر مزارعت جائز
آل ابی بکر و آل عمر و آل علی ہے یا ناجائز؟ تو اس نے جواب دیا
وجدتھم یفعلون ذالک۔ کہ جب اولاد ابوبکر، اولاد عمر اور
اولاد علی کو دیکھتا ہوں تو ان کو
ایسا کرتے پاتا ہوں۔

کچھ غور سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اثر اور قیس

بن مسلم والا پہلا اثر دونوں اصل کے لحاظ سے ایک ہیں، ایک ہی مطلب کو دو راویوں نے مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے، حاصل دونوں کا ایک ہے اس لئے کہ آل ابی بکر، آل عمر اور آل علی مہاجرین مدینہ ہی کے گھرانے ہیں، لہذا جو بحث اوپر قیس بن مسلم والے اثر سے متعلق پیش کی گئی وہ بعینہ اس اثر سے متعلق ہے، علاوہ ازیں بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابو جعفر باقر بجائے اس کے کہ مسئلے کا جواب قرآن و حدیث سے دیتے اور کتاب و سنت سے اس کے جواز پر استدلال کرتے جو دین کا اصل مأخذ اور حقیقی سر چشمہ ہیں انہوں نے ایک صدی بعد کے لوگوں کے عمل کو اس کے جواز میں پیش کیا جب کہ اس مسئلہ سے متعلق متعدد احادیث نبویہ موجود تھیں اور پھر جب کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ جن صحابہ کبار یعنی ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور علی مرتضیٰ کی یہ لوگ اولاد تھے وہ بھی مزارعت پر زمین لیتے دیتے تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابو جعفر باقر بجائے ان کی اولاد کے عمل کو پیش کرنے کے ان کا عمل پیش کرتے جس کا دین میں کتاب و سنت کے بعد ایک مرتبہ ہے جیسا کہ پیچھے عرض کیا جاچکا ہے۔ غرضیکہ کسی دینی مسئلہ کے بارے میں مذکورہ طرز استدلال نہایت کمزور اور بودا ہے لہذا ایک جلیل القدر امام کی طرف اس کی نسبت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ نیز اس اثر میں شک و شبہے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض مستند روایات سے اس کی تردید ہوتی ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عمر کی وہ حدیث جس کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور جو مسلمہ طور پر صحیح ہے صاف ظاہر کرتی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے جو پہلے مخابرہ میں کچھ حرج نہیں دیکھتے تھے جب رافع بن خدیج کی حدیث سنی تو انہوں نے اس معاملہ کو ترک کر دیا، ان کے الفاظ یہ ہیں ''فترکناہ،، پس ہم نے اس کو ترک کردیا، اسی طرح طحاوی رح کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے حضرت سالم مزارعت کو ناجائز سمجھتے تھے، وہ روایت یہ ہے :

عن حماد انه قال سألت سعيد بن المسيب و سعيد بن جبير و سالم بن عبدالله و مجاهدا عن كراء الارض بالثلث والربع فكرهوه (ص ٢٦٢، ج ٢، معانی الآثار)

حماد سے روایت ہے کہ اس نے سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، سالم بن عبداللہ اور مجاہد سے تہائی اور چوتھائی پر کراء الارض کے متعلق پوچھا تو ان سب نے اس کو ناجائز بتلایا۔

لہذا اولاد عمر کی حد تک مذکورہ اثر ناقابل اعتماد ہوجاتا ہے، اسی طرح اولاد ابوبکر میں سے جہاں تک ان کے پوتے قاسم بن محمد کا تعلق ہے علامہ عینی نے ان کا نام ان لوگوں میں شمار کیا ہے جو مزارعت کو ناجائز سمجھتے اور اس کے عدم جواز کے قائل تھے، علامہ عینی کی وہ عبارت بجائے یہاں نقل کرنے کے ہم کچھ آگے چل کر نقل کریں گے، لہذا اگر یہ درست ہے تو پھر مذکورہ بالا اثر اولاد ابوبکر کی حد تک بھی مشکوک ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد محمد بن سیرین کے اثر کو لیجئیے جسے علامہ عینی نے سعید بن منصور سے نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ :

انه كان لا يرى باسا ان يجعل الرجل للرجل طائفة من زرعه او حرثه على ان يكفيه مؤونتها والقيام عليها۔

محمد بن سیرین اس میں کچھ حرج نہیں دیکھتے تھے کہ ایک شخص دوسرے کے لئے اپنی کھیتی (پیداوار) کا ایک حصہ مقرر کردے اس معاہدے پر کہ وہ دوسرا شخص اس کھیتی کی مشقت اور حفاظت سے اس کو بے نیاز کردے گا۔

علامہ عینی اور علامہ عسقلانی نے اس اثر کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے لہذا نہیں کہا جا سکتا کہ سند کے لحاظ سے یہ اثر قوی ہے یا ضعیف البتہ اس کے متن سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ اس میں جس معاملے کا ذکر ہے وہ مزارعت کا معاملہ نہیں بلکہ کچھ اس قسم کا معاملہ ہے کہ

ایک شخص اپنی اگی ہوئی کھیتی کے متعلق دوسرے سے کہتا ہے کہ تم اس کی دیکھ بھال اور دوسرے کام اپنے ذمہ لے لو اور اس کے بدلے تم کو کھیتی یا پیداوار کا ایک حصہ ملے گا، لہذا اس اثر کو مزارعت کے جواز میں پیش نہیں کیا جاسکتا، اور اس سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ابن سیرین کے نزدیک مزارعت جائز تھی، اور اگر ایسا ہوتا تو علامہ عینی ابن سیرین کو ان حضرات میں شمار نہ کرتے جو مزارعت کو ممنوع کہتے تھے۔ ذیل میں عینی کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائیے جس میں انھوں نے ابن سیرین کو ان جلیل القدر تابعین کے ساتھ ذکر کیا ہے جن کے نزدیک مزارعت ممنوع ہے:

ان اکراءالارض بجزء منها ای بجزء مما یخرج منها منهی عنه وهو مذهب عطاء و مجاهد و مسروق والشعبی و طاؤس والحسن و ابن سیرین و القاسم بن محمد و به قال ابو حنیفة و مالك و زفر۔ (ص ۲۰ ۔ ج ۵ ۔ عمدة القاری)	زمین دوسرے کو کاشت کے لئے دینا پیداوار کے ایک حصہ کے بدلے ممنوع ہے، یہی مذہب عطاء، مجاہد، مسروق شعبی، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین اور قاسم بن محمد کا ہے، اور اسی کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام زفر۔

اس کے بعد امام بخاری نے عبدالرحمن بن الأسود کا جو اثر ذکر کیا ہے اس کے متعلق فتح الباری میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے وصله ابن ابی شیبة و زاد فیه و احمله الی علقمة والأسود فلورایا به بأسا لنهانی عنه، ابن ابی شیبہ نے اس کو سند کے ساتھ بیان کیا ہے، اور متن کے جو الفاظ امام بخاری نے ذکر کئے ہیں یعنی کنت اشارک عبدالرحمن بن یزید فی الزرع، ان پر مزید یہ الفاظ بڑھائے ہیں، اور میں غلہ اٹھا کر لے جاتا تھا علقمہ اور اسود کی طرف، پس اگر وہ اس میں کچھ حرج دیکھتے تو ضرور مجھے اس سے روکتے۔ بہر حال اس اثر کے یہ الفاظ ”کنت اشارک فی الزرع“ صاف بتلا رہے ہیں کہ اس اثر

میں جس معاملے کا ذکر ہے وہ مزارعت کا معاملہ نہیں بلکہ زراعت میں شرکت کا معاملہ ہے، یعنی جس میں دو شخص یہ طے کرتے ہیں کہ ہم دونوں مل جل کر باہمی اشتراک سے زراعت کے کام انجام دیں گے اور پیداوار آپس میں تقسیم کرلیں گے، اور یہ معاملہ بلا شبہ جائز ہے اور اگر اس سے علقمہ اور اسود نے نہیں روکا تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ ان کے نزدیک مزارعت جائز تھی۔

تابعین کے مذکورہ آثار کے بعد امام بخاری نے حضرت عمر کے ایک معاملہ کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے خلیفہ کی حیثیت سے اپنے گورنروں کے ذریعے طے فرمایا، امام بخاری نے اس اثر کا ایک ٹکڑا ذکر کیا ہے جس میں اس معاملے کا بیان ہے لیکن علامہ ابن حجر العسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی نے ابن ابی شیبہ سے اس اثر کو پورے کا پورا نقل کیا ہے جس میں اس معاملہ کی تفصیل ہے :

عن یحیٰی بن سعید ان عمر اجلیٰ اهل نجران والیهود و النصاریٰ و اشتریٰ بیاض ارضهم و کرومهم فعامل عمر الناس ان هم جلبوا بالبقر والحدید من عندهم فلهم الثلثان و لعمر الثلث و ان جاء عمر بالبذر من عنده فله الشطر و عاملهم فی النخل علیٰ ان لهم الخمس وله الباقی و عاملهم فی الکرم علیٰ ان لهم الثلث وله الثلثان۔
(ص ۹- ج ٥ فتح الباری)

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے جب اہل نجران اور یہود اور نصاریٰ کو جلاوطن کیا اور ان کی زمینیں اور باغات خرید لئے تو اس وقت آپ نے لوگوں سے معاملہ کیا اس طرح کہ اگر بیج، بیل اور لوہا ان لوگوں کی طرف سے ہو تو دوتہائی پیداوار ان کی اور ایک تہائی عمر کی، اور اگر بیج عمر کی طرف سے ہو تو آدھی آدھی، اور کھجوروں کے متعلق معاملہ اس طرح ہوا کہ صرف پانچواں

حصہ ان لوگوں کے لئے اور باقی عمر کے لئے ہوں گی اور انگوروں کے متعلق جو معاملہ ہوا وہ یہ کہ ایک تہائی ان لوگوں کے لئے اور دوتہائی عمر کے لئے ہوں گے۔

اسی اثر کو حافظ ابن حجر نے بیہقی اور طحاوی سے بھی نقل کیا جس میں کچھ زیادہ تفصیل اور اختلاف ہے:

عن اسمعیل بن حکیم عن عمر بن عبدالعزیز قال لما استخلف عمر اجلیٰ اهل نجران و اهل فدک و تیماء و اهل خیبر و اشتریٰ عقارهم و اموالهم و استعمل یعلیٰ بن منیة فاعطی البیاض یعنی بیاض الارض علی ان کان البقر و البذر والحدید من عمر فلهم الثلث و لعمر الثلثان، و ان کان منهم فلهم الشطر وله الشطر و اعطی النخل والعنب علی ان لعمر الثلثین ولهم الثلث۔

اسمعیل بن حکیم نے عمر بن عبدالعزیز سے روایت کیا کہ جب حضرت عمر فاروق خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے اپنی خلافت کے دوران اهل نجران، اهل فدک و تیماء اور اهل خیبر کو جلاوطن کیا اور ان کی اراضی وغیرہ خرید لیں اور یمن پر یعلیٰ بن منیہ کو عامل مقرر کیا اور یہ ھدایت کی کہ وہ سفید زمین کا معاملہ لوگوں سے اس طرح کرے کہ اگر بیج، بیل اور لوہا عمر کی طرف سے ہوگا تو پیداوار میں سے ایک تہائی ان لوگوں کے لئے اور دو تہائی عمر کے لئے ہوگا اور اگر اس کے برعکس ہو تو دونوں کے لئے نصف نصف ہوگا، کھجوروں اور انگوروں کی پیداوار میں سے دو تہائی عمر کے لئے اور ایک تہائی ان لوگوں کے لئے ہوگی۔

اس اثر پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں مفتوحہ ممالک کی بعض اراضی کو آباد کرانے کے سلسلہ میں مقامی کاشتکاروں سے جو معاملہ کیا وہ ایک مالک زمین کی حیثیت سے اپنے ذاتی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ بحیثیت امیر ریاست اور متولی بیت المال کے عامۃ الناس کے فائدے کے لئے کیا اور یہ در اصل مالگذاری اور لگان کا معاملہ تھا جس سے حاصل ہونے والا غلہ وغیرہ بیت‌المال اور سرکاری خزانے کے لئے مخصوص تھا حضرت عمرؓ کی ذات کے لئے مخصوص نہ تھا لہذا یہ معاملہ اپنی نوعیت اور غرض و غایت کے لحاظ سے اس مزارعت سے قطعاً مختلف تھا جو ایک مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان طے پاتا ہے، بنابریں اس زیر بحث اثر سے عام مسلمانوں کے درمیان مزارعت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے بعد امام بخاری نے حسن بصری اور ابن شہاب زہری کا جو قول نقل کیا ہے وہ بھی مزارعت سے متعلق نہیں بلکہ شرکت فی الزراعۃ سے متعلق ہے جیسا کہ خود اس قول کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے:

وقال الحسن لا بأس ان یکون الارض لا حدھما فینفقان، جمیعاً فما اخرج فھو بینھما و رای ذالك الزہری۔

حسن بصری نے کہا اس میں مضائقہ نہیں کہ زمین دو میں سے ایک کی ہو اور دونوں مل کر اس میں خرچہ وغیرہ کریں پھر جو کچھ ہو اسے آپس میں بانٹ لیں اور یہی رائے زہری کی بھی ہے۔

غرضیکہ اس اثر سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ حسن بصری اور زہری مزارعت کو جائز سمجھتے تھے درست نہیں اور یہ اس وجہ سے بھی کہ شرح معانی الآثار میں امام طحاوی نے دو اثر ایسے بیان کئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری مزارعت کو ناجائز کہتے تھے۔

يونس عن حماد بن سلمة عن قتادة قال كان الحسن يكره كراء الارض بالثلث و الربع۔ (ص ۲۲۲ ج ۲)

حماد بن سلمه نے قتادہ سے روایت کیا، قتادہ نے کہا کہ حسن بصری تہائی اور چوتھائی پیداوار پر کراء الارض کو ناجائز سمجھتے اور کہتے تھے۔

عن یونس بن عبید عن الحسن انه كان يكره ان يكرى الرجل الارض من اخيه بالثلث والربع۔

یونس بن عبید نے حسن بصری سے روایت کیا کہ وہ اس کو ناجائز گردانتے تھے کہ ایک شخص اپنی زمین اپنے بھائی کو تہائی و چوتھائی کے عوض کاشت کے لئے دے۔

اس کے بعد امام بخاری نے ترجمہ الباب میں حسن بصری، ابراهیم، ابن سیرین، عطاء، حکم، زہری، قتادہ اور معمر کے جو اقوال ذکر کئے ہیں ان کا مزارعت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ کچھ دوسرے معاملات سے ہے جو ظاہری طور پر مزارعت کے مماثل نظر آتے ہیں، غالباً ان اقوال کو ذکر کرنے سے امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ معاملات جائز ہیں تو مزارعت بھی جائز ہونی چاہئے، حالانکہ جن حضرات کے یہ اقوال ہیں ان میں سے بیشتر مزارعت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

بہر حال ان اقوال میں جن معاملات کا ذکر ہے وہ تین ہیں : اول یہ کہ ایک شخص کا کپاس کا کھیت ہے وہ دوسرے سے کہتا ہے کہ تم روئی چن کر نکالو، اس میں سے آدھی میرے لئے ہوگی اور آدھی بطور اجرت تمہارے لئے، اس معاملہ کے بارے میں حسن بصری نے کہا کچھ حرج نہیں، دوم یہ کہ ایک شخص کے پاس کاتا ہوا سوت ہے وہ ایک جولاہے سے کہتا ہے تم اس سے کپڑا بنو، اس کپڑے سے تہائی یا چوتھائی بطور اجرت تمہارا ہوگا اور باقی میرا، اس معاملے کے بارے میں ابراهیم النخعی، محمد بن سیرین، عطاء

حکم زہری اور قتادہ نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں ۔ تیسرا معاملہ یہ کہ ایک شخص کے پاس سواری یا باربرداری کا جانور ہے وہ دوسرے سے کہتا ہے تم اس کو سواری یا باربرداری کے کام میں استعمال کرو، ایک ماہ یا سال میں اس کے ذریعے جو کماؤ گے اس کمائی میں سے تہائی یا چوتھائی حصہ تمہارا ہوگا اور باقی میرا، اس معاملے کے متعلق معمر نے کہا کہ اس میں حرج نہیں۔ ان تین معاملات کو غور سے دیکھا جائے تو یہ بنیادی طور پر مزارعت کے معاملہ سے مختلف نظر آتے ہیں، وہ اس طرح کہ مزارعت میں زمین بہرحال مالکہ زمین ہی کی ملکیت میں رہتی ہے اور معاملہ ختم ہونے پر جب یہ مالکہ کی طرف لوٹتی ہے تو اس کی مالیت میں کچھ خاص فرق واقع نہیں ہوتا بلکہ اس صورت میں اس کی مالیت میں کچھ اضافہ ہی ہوجاتا ہے جیسے کاشتکار اس کو اچھی بناتا اور خوب کھاد وغیرہ دیتا ہے، اور اس کے ساتھ مالک زمین کو پیداوار میں سے ایک حصہ بھی ملتا ہے جس کے لئے اس کی طرف سے کوئی محنت و مشقت موجود نہیں ہوتی بلکہ پیداوار پوری کی پوری کاشتکار کی محنت و مشقت کا ثمرہ و نتیجہ ہوتی ہے بخلاف ان مذکورہ معاملات کے کہ ان میں فریقین کے مابین جو چیز تقسیم ہوتی ہے وہ ان دونوں کی محنت و مشقت سے وجود میں آئی ہوتی ہے، پہلے معاملے میں روئی جو دو شخصوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہے اس کا وجود ان دونوں کی محنت و مشقت کا مرہون منت ہوتا ہے ایک کی محنت نے کپاس کے کھیت کو بونے سے لے کر روئی چننے کی حالت تک پہنچایا اور دوسرے کی محنت نے اس کو کھیت سے چن کر باہر نکالا، اسی طرح دوسرے معاملہ میں کپڑا جو سوت کے مالک اور بننے والے کے درمیان تقسیم ہوتا ہے وہ ایک کی محنت کا نہیں بلکہ دونوں کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے، ایک کی محنت سے اس نے سوت دھاگے کی شکل اختیار کی اور دوسرے کی محنت سے وہ تیار کپڑے کی شکل میں سامنے آیا، تیسرے معاملہ میں جانور کے مالک اور اس کے ساتھ کام کرنے والے کے درمیان کرایے کی کمائی جو تقسیم ہوتی ہے

وہ بھی ان دونوں کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جانور کے مالک نے جانور خود پالا ہو یا اپنے مال کے عوض دوسرے سے خریدا ہو بہر حال اس کی طرف سے محنت موجود ہوتی ہے اور استعمال ہوتے رہنے سے جانور کی قیمت میں بھی کمی ہوتی جاتی ہے، اسی طرح دوسرا شخص جو اس جانور کو بار برداری وغیرہ کے کام میں استعمال کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس کی طرف سے بھی اس میں محنت پائی جاتی ہے۔ لہذا مزارعت کو ان معاملات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا جو حضرات ان مذکورہ معاملات کے جواز کے قائل ہیں ان میں سے بیشتر مزارعت کو ناجائز مانتے ہیں۔

علاوہ ازیں علامہ عینی نے بخاری کے اس مقام کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روٹی والے پہلے معاملہ کو ائمہ اربعہ میں سے امام احمد ابن حنبل جائز اور تین یعنی امام مالک، امام ابو حنیفہ اور شافعی ناجائز مانتے ہیں۔ لکھا ہے:

و منع من ذالك مالك و ابوحنيفة و الشافعى لانها عندهم اجارة بثمن مجهول لا يعرف (ص ۲۲۷ - ج ۵)

منع کیا ہے اس سے امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے اس وجہ سے کہ یہ اجارہ ہے مجہول و نامعلوم اجرت کے بدلے۔

اسی طرح دوسرے اور تیسرے معاملے کے متعلق بھی علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ ائمہ احناف کے نزدیک یہ معاملات فاسد اور ناجائز ہیں۔ وہ عبارت یہ ہے:

وقال اصحابنا من دفع الى حائك غزلا لينسجه بالنصف فهذا فاسد فللحائك اجر مثله۔

ہمارے اصحاب یعنی ائمہ احناف نے کہا ہے کہ جس نے جولاہے کو سوت دیا کہ وہ نصف کپڑے پر بن کر دے یہ معاملہ فاسد ہے اور جولاہے کے لئے اجرت مثلی ہوگی۔

اس کے بعد انھوں نے مبسوط کے حوالے سے لکھا ہے کہ اپنے علاقہ کے مخصوص حالات کے پیش نظر مشائخ بلخ وغیرہ نے اس معاملے کے جواز کا بھی فتویٰ دیا ہے تیسرے معاملے کی ایک شکل وہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی اور دوسری شکل یہ کہ ایک شخص کے پاس غلہ ہے اور وہ اسے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا چاہتا ہے لہذا وہ اس کے لئے دوسرے سے باربرداری کا جانور کرایے پر لیتا ہے اور کرایہ اسی غلے کا تہائی یا چوتھائی حصہ مقرر کرتا ہے، حضرت معمر کے نزدیک اس میں کچھ حرج نہیں لیکن علماء حنفیہ اس کو جائز نہیں مانتے، علامہ عینی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

و عندنا لایجوز ذالك و علیه اجرة المثل لصاحب الدابة۔ ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں اور اس صورت میں کرایہ پر لینے والے شخص کے ذمہ جانور والے کے لئے اجرت مثل لازم ہوتی ہے۔